دانشور، ادیب یا شاعر یہ بات کہتا ہے، تو سوچنے کی بات ہے کہ اگر یہ سب اعلیٰ دماغ ہستیاں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم و ہنر کے منبر کی صدارت بخشی ہے، جوہرِ فکر و عمل سے مالا مال کیا ہے، احساسات و جذبات کی بیداری و انگیخت کا فن عطا کیا ہے، فہم و فراست اور نورِ بصیرت سے نوازا ہے، عزم و ہمت اور قوتِ فیصلہ سے لیس کیا ہے، اور صفتِ قیادت و رہبری سے سرفراز فرمایا ہے --- یہ سب بزرگانِ ذی وقار، دولت مدار الزام سے مبرّا ہیں؟ تو کیا معاشرے کی تشکیل کا گناہ گار ایک مردِ مزدور، خوانچہ فروش، مفلس و نادار یا اندر سے شکست و ریخت کا شکار، لیکن باہر سے اپنی سفید پوشی کے بھرم کا کفن اوڑھے وہ بدقسمت ہے، جسے اپنے جان و تن کو سمیٹ کر رکھنے کی فرصت اور یارا نہیں؟

اگر 'ادب برائے زندگی' کا منشور محض لفظی فسوں کاری نہیں، تو ادب میں اور ادیب کی زندگی میں اس کا پرتو، بلکہ بھرپور اور موثر اظہار ہونا چاہیے۔

معاف کیجئے، بات دوسری طرف نکل گئی۔ بیک وقت بہت سے متضاد عوامل کارفرما ہیں اور ادیب کے لبوں پر اپنی بے قدری کا نوحہ ہے۔ ذرائع ابلاغ کی وسعت، تنوع اور جہد للبقاء کے جھمیلوں نے قاری کے ذوقِ مطالعہ کو بُری طرح متاثر کیا ہے، اُسے نہ ذوقِ مطالعہ، نہ فرصتِ مطالعہ میسر ہے۔ معیارِ تعلیم اور اردو زبان کی بے زبانی اور کسمپرسی نے رہی سہی کسر نکال دی، تاہم کیا قاری کی بے حسی سے اہلِ فکر کا فرض ساکت ہو گیا؟ کیا لکھنے والے ہر طرح کے الزام سے مبرّا ہیں؟ ہمارا سماجی اور اجتماعی شعور کیوں زنگ آلود ہے؟

'حرف' کائنات کی سب سے بڑی اور طاقت ور حقیقت ہے۔ خالقِ کائنات نے 'حرف' یعنی 'کُن' سے تخلیق کے عمل کا آغاز کیا۔ لمحۂ ازل کی ابدی داستان ہم تک حرف کی زبان سے پہنچی۔ گویا 'حرف' ہر تخلیق، ہر ارتقاء اور ہر تبدیلی کا منبع ہے۔ اللہ نے جب آدمؑ کو علمِ اسماء سے بہرہ ور کیا اور فرشتوں پر فضیلت بخشی، تو وہ علم بھی حرف سے آغاز ہُوا، کیونکہ حرف کے بغیر کسی اسم کی معرفت نہیں ہو سکتی۔ 'اِقراء' بھی حرف ہے۔ اللہ نے ادیب و شاعر کو حرف کے اوزار ہی سے لیس کیا۔ 'اوزار' کے ایک معنی 'بادبان' کے بھی ہیں۔ گویا بحرِ زیست ہو یا بحرِ علم، یا بحرِ فکر و خیال، سب میں پار اترنے کا ذریعہ 'حرف' ہی ہے۔

حرف ہی تغیر و تبدل کے عمل میں کارفرما ہے۔ اور جمود میں حرکت پیدا کرتا ہے، انقلاب لاتا ہے۔ قرآنِ کریم مسلسل حرکت، مسلسل انقلاب کا داعی و نقیب ہے۔ فرانس ہو یا روس، ایران ہو یا تحریکِ پاکستان کی روح پرور داستان، ہر تغیر کے پیچھے ایک حرف، ایک کلمہ، ایک تحریر یا تقریر کی قوت ہوتی ہے جو حالات کو بدل کر رکھ دیتی ہے، یا کم از کم ان کی صورت گری کرتی ہے۔

'حرف' کے ایک معنیٰ 'کنارہ' کے ہیں:

- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ (22-الحج-11) "اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے، جو اللہ کی بندگی کنارے پر (کھڑا رہ کر) کرتا ہے"۔ (اگر اس سے مفادِ دنیوی حاصل ہو گیا، تو بہت خوب، وہ اس پر

قائم رہے گا، اور اگر مقصد حاصل نہیں ہوتا، کوئی مشکل یا آزمائش آپڑی تو واپس پھر گیا، کنارے سے ہٹ گیا، گویا نہ اِدھر ہے اور نہ اُدھر ہے)۔

ادیب کے لیے اس منافقانہ رویئے سے اجتناب لازم ہے۔ اپنے آدرشوں، اصولوں اور عقائد کے ساتھ اس کی وابستگی (COMMITMENT) مکمل اور شک وشبہ سے بالاتر ہونی چاہیے۔ وہ نیکی، خیر اور حسنِ عمل کا نقیب، مبلّغ، حلیف اور حرف کار ہے، نہ کہ حریف یا اُس سے منحرف یا غیر جانب دار۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دَور میں ایک حرف یا نعرے یا منشور نے تہلکہ مچا کر استحصالی نظام کو درہم برہم کر دیا۔ ہر دور میں ہر جگہ مفکرین وادباء وشعراء ہی نے نئے معاشرے کی تشکیل کے لیے بنیادی فکر مہیا کی، خود اپنے ملک میں ایک اقبال نے فکر ونظر کے زاویئے بدل کر رکھ دیے، حتیٰ کہ ایک نیا ملک وجود میں آ گیا۔ مولانا آزاد نے 'البلاغ' 'الہلال' سے دلوں میں وہ آگ لگائی کہ ایوانہائے اقتدار لرز لرز گئے۔ مولانا محمد علی جوہر نے اپنی شعلہ نوائی اور قلم کے جوہر سے دولتِ انگلشیہ میں زلزلہ برپا کر دیا۔ مولانا ظفر علی خاں نے اپنی ساری ادبی صلاحیتیں اور زندگی کے ماہ وسال ملتِ اسلامیہ میں بیداری پیدا کرنے میں تمام کر دیئے۔ مولانا حسرت موہانی کا ثانی کہاں ہے، جو مشقِ سخن کے ساتھ چکی کی مشقت بھی کرتے تھے، اور مزے لیتے تھے۔ اور کسی نے صلے کی تمنا نہیں کی۔

قائدِ اعظم کے دامن میں حرف وکردار کے سوا کیا تھا جس کا اظہار ان کے ایمانِ محکم، راستی اور نظم میں ہوتا تھا۔

یہ سب ادیب اور شاعر تھے، غریب یا متوسط گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے، ان کو بھی وہ سب مسائل درپیش تھے جو آج انفرادی طور پر ہر ادیب یا شاعر اور اس کے خاندان کو پیش آتے ہیں۔ لیکن انہوں نے ان مسائل کو کبھی اپنی بے عملی کی ڈھال، یا مصائب و مشکلات کا مرثیہ نہیں بنایا اور نہ ہی ناقدریٔ عہزمانہ (معاشرہ) کا گلہ کیا، بلکہ "اک طُرفہ تماشا" کہہ کر اسے مذاق میں ٹال دیا۔

کیا ہم دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد ہم میں کوئی اُن کا پاسنگ تو کیا، ایسا بھی پیدا ہوا جو اُن کے قریب بھی پھٹک سکے؟ ان کے مراتب تک پہنچنے کے لیے جس پہنائی علم وبصیرت، ہمت واخلاص، جرأت، کردار اور محکم اخلاق واقدار کی ضرورت تھی، کیا وہ ہم ادیبوں اور شاعروں میں آج موجود ہے؟

یقیناً دیارِ ادب میں ایسی گھن گرج، دبدبے اور فکر وشعور والی ہستیاں بھی پیدا ہوئیں، جن کی اپنے وقت میں خوب دھوم تھی، انہیں پڑھنے اور لکھنے والوں کی طرف سے اچھے اچھے القابات سے نوازا گیا، انہوں نے نئے لکھنے والوں کے ذہنوں پر وقتی اثرات بھی چھوڑے، لیکن اُن کی فکر ودانش کا دائرۂ اثر محدود ہی رہا۔ اور جب ہم ان کی عملی زندگی یا نجی 'کارناموں' کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو یارانِ بزم ہنس کر یا "شاعروں" کی "روایت" کہہ کر ٹال جاتے ہیں :

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں کہ، اسے کیا کہیے

نہ صرف یہ بلکہ جو جتنا شاہد باز، مے آشام اور بے راہ ہے، جتنا کذب بیان، خود پسند، خود بین و خود نگر ہے، جتنی خیالی اور دور از کار بات کرتا ہے، اتنا ہی اِتراتا اور قدر و منزلت کا طالب ہوتا ہے، اور المیہ تو یہ ہے کہ اکثر لوگ اس پامالیٔ اَقدار کو شاعرانہ ادا یا آزادیِ فکر و خیال کہہ کر، نہ صرف نظر انداز کرتے ہیں، بلکہ اسے تعظیم و تکریم سے بھی نوازتے ہیں، اس پر انعام و اکرام کی بارش کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ اس بے راہ روی میں اور پختہ ہوتا جاتا ہے۔ آج کی ''اصطلاح'' میں اِسے ''روشن خیالی'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

کیا ادب میں یہ طے ہے کہ سہل انگاری اور بدراہی ادیب کا امتیاز یا استحقاق ہے؟ اس کا کام اپنی انا کا علَم لہرانا، ہر رطب و یابس پر قلم اٹھانا اور رائے زنی کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال لینا ہی ہے؟ اس سے بڑھ کر اس کے کوئی اور فرائض یا مقاصد نہیں ہیں؟ اس ذہنی تعیش کے عادی اسیر کس منہ سے معاشرے، اور اس کی شکست و ریخت سے دوچار روایات و اقدار پر تنقید کر سکتے ہیں!

ادباء و شعراء کا امتیاز تو یہ ہے کہ وہ فکر و خیال کی تہذیب کرتے ہیں، اسے جلا بخشتے ہیں، مسائل کے تخلیقی تجزیئے کرتے ہیں، معاشرے کی نفسیاتی تحلیل کر کے اُس کے علل و عوارض کا مداوا کرتے ہیں۔ اپنی روایات و اقدار کے بحر کی غواصی کر کے عقل و خرد کے گوہرِ آب دار ڈھونڈ نکالتے ہیں، اور ان کی روشنی میں معاملہ فہمی، نکتہ دانی اور حقیقت شناسی سے اپنے معاملات و مسائل کا حل تجویز کرتے ہیں۔

شعر، شعور اور شاعر کا مادہ ایک ہی ہے، ان میں فکر و فطانت اور عقل و ذہانت کا فطری تعلق واضح ہے۔ شعر، شعور کا عطر ہے، جس کی خوشبو سے مشامِ خیال معطر ہوتا ہے، اور خیال، لفظ و بیاں کے شہد میں گھل کر، وجدان کی بالیدگی اور وہم و گمان کی شفا کاری کا باعث ہوتا ہے۔ غالباً اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

شاعری جزوِ یست از پیغمبری

شعر و ادب کی زبان، قلب و روح پر بھرپور طور پر اثر انداز ہوتی ہے، وہ اپنے مخاطب کا ذہن اپنی گرفت میں لے سکتی ہے۔ رزمیہ رجز، مرثیہ، ہجر و فراق کے گیت اور ملی نغمے اس کی سرسری مثالیں ہیں۔ چنانچہ منکرین رسولؐ نے کلام الٰہی کی اثر آفرینی کی وجہ سے بار بار آپؐ پر الزام لگایا، کہ آپؐ نعوذ باللہ ساحر یا پریشان خیالی کے شکار ایک شاعر ہیں:

○ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ''(21-الانبیاء-5) ''نہیں! بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ (یہ قرآن) پریشان خیالات ہیں۔ نہیں! بلکہ یہ کہ انہوں (رسول پاکؐ) نے اسے گھڑ لیا ہے۔ نہیں! بلکہ وہ تو ایک شاعر ہیں''۔

تاہم اللہ تعالیٰ نے سختی سے اُن کی تردید اور سرزنش کی اور صراحت فرمائی:

○ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ○ (69-الحاقہ-41-40)

''یہ (قرآن) کلامِ (الٰہی) ہے ایک معزز قاصد کالایا ہوا (اور جس پر آیا، وہ حق تعالیٰ کا رسولِ مکرّم ہے)، اور یہ (ہرگز) کسی شاعر کا کلام نہیں''۔

○ پھر فرمایا: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ'' وَّ قُرْاٰنٌ'' مُّبِيْنٌ'' (36-یٰسین-69) ''اور ہم نے آپ کو شعر و شاعری نہیں سکھلائی اور نہ ہی وہ آپ کی شایانِ شان ہے، یہ قرآن تو ایک نصیحت اور (حقائق و معارف سے لبریز) کھلی ہوئی آسمانی کتاب ہے''--- یعنی آپ کے مرتبہ نبوت کو شاعری یا تخیئلی مضمون آفرینی یا خیال بندی سے کوئی واسطہ نہیں، آپ تو حق اور حقیقت کے علمبردار ہیں۔ واضح رہے کہ شعر یہاں اپنے معروف و متعارف معنیٰ، یعنی کلامِ موزوں و مقفیٰ کا مرادف نہیں، بلکہ اس سے مراد وہ خاص نفسیاتی کیفیت، جھوٹی خیال آرائیاں اور حقیقت و واقعیت سے عاری طائرِ تصور کی پروازیں اور منصوبہ بندیاں ہیں، جن کا شکار شعراء ہو جاتے ہیں۔

اس مختصر سی بحث کو پلٹ کر دیکھیں تو ظاہر ہے کہ شاعر کی پروازِ فکر و خیال، معنیٰ آفرینی اور بلند نظری اتنے اوج تک پہنچ سکتی ہے کہ اکثر کم نظروں کو دھوکا ہو جاتا ہے۔ بلکہ خود شاعر و ادیب بھی اپنے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو کر گمراہی کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے۔ تاریخ ایسے شعراء و ادباء کے علاوہ جھوٹے نبیوں، جعلی پیروں اور ولیوں کی مثالوں سے بھری پڑی ہے، جو اپنی پریشاں خیالی کو الہام تصور کرنے لگتے ہیں۔ عقیدے کے خام لوگ الہام اور کلامِ شاعر میں فرق نہیں کر سکتے اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اسی حقیقت سے شاعر کے مرتبے اور اس کی عظیم ذمہ داری کا تعین ہو جاتا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ شاعر کے القاءِ خیال کا مصدر و منبع کیا ہے؟ اس کی آبیاری اگر سرچشمہ ایمان و یقین سے ہوتی ہے، تو شاعری سے بڑی کوئی نعمت نہیں، اور اگر یہ منبع اس سے ہٹ کر ہے، تو پھر یہ وعید باری تعالیٰ کے مطابق باعث ملامت و ندامت ہے۔ دونوں طرح سے اس کی اہمیت اتنی واضح ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں شعراء کا تذکرہ بہ تکرار کیا، اور آیاتِ بالا کے علاوہ دوسری جگہ فرمایا، گو ایک جائز اور ضروری تنبیہ کے ساتھ:

○ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ○ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ(26-شعراء- 224 تا 227)

''[اچھا تو میں تم کو بتاؤں کہ شیطان، فاسد خیالات کے ہیولوں کے ساتھ کس پر نازل ہوا کرتے ہیں! (وہ) ایسے

(کاہنوں اور ضعیف الاعتقاد لوگوں) پر اُترا کرتے ہیں جو عادی دروغ باف اور بدکردار ہوں، اور جو (اُن یعنی شیطانوں کی طرف) کان لگائے رکھتے ہیں۔ایک 'معمول' کی طرح نفسیاتی طور پر اثر پذیر ہونے کے لیے ادھار کھائے بیٹھے رہتے ہیں، اور فکرِ باطل کے طلب گار ہوتے ہیں)، اُن کی اکثریت کذب گو ہی ہوتی ہے]---اور رہے (ایسے) شاعر (جو اسی راہ پر گام زن ہوں) تو ان کی پیروی (بھی) بدراہ لوگ (ہی) کرتے ہیں۔کیا تو نہیں جانتا کہ وہ (شاعر) ہر میدان میں (خیالی مضامین کی تلاش میں) حیران (و سرگرداں) پھرتے ہیں! (اور محض تخیئل پرستی میں مگن رہتے ہیں)! اور ایسی بات کہتے ہیں جس پر (خود) عامل نہیں ہوتے! سوائے اُن کے، جو لوگ ایمان لائے، اور (انہوں نے) نیک عمل کیے، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کیا (توحید اور حق و صداقت کی شاعری کی)۔اور بعد اِس کے کہ اُن پر ظلم ہو چکا (اس کا) بدلہ (بھی) لیا"۔(گویا وہ صاحبِ قلم ہونے کے ساتھ صاحبِ سیف، اور میدانِ عمل کے شہ سوار بھی ہیں۔اور ظلم و جور کی استحصالی طاقتوں سے عملاً برسرِ پیکار ہو کر جہاد بھی کرتے ہیں)۔

ان آیاتِ کریمہ سے واضح ہے، کہ اللہ تعالیٰ بے مقصد خیال آفرینی، فضول پروازی، یاوہ گوئی اور عمل سے عاری بے مصرف تحریر و تقریر کو پسند نہیں کرتا، اور وہ شاعروں سے، جنہیں اُس نے حُسنِ لفظ و بیان سے بطورِ خاص نوازا ہے، اچھی، راست اور تعمیری بات کی توقع رکھتا ہے اور یہ کہ وہ جو کہتے ہیں اس پر عامل بھی ہوں۔یہ اعلامیہ ہے کہ شعراء فکری رہنمائی مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن اُن میں سے صرف وہی اس کے اہل ہیں جو صراطِ مستقیم کے راہ رَو اور حُسنِ عمل کے حامل ہیں، اور جن کی سمتِ فکر درست ہے۔

بزمِ اُلوہی میں اس امتیاز پر اُدباء و شعراء کو سجدۂ شکر بجالا کر اپنے آپ کو اصلاحِ بنی نوعِ انسان کے لیے وقف کر دینا چاہئیے۔گویا آپ کے دعوے، منشور، آدرش اور لفظ و بیان کا عکس آپ کی روزمرہ کی زندگی پر بدرجہ اَتم پڑنا چاہیے۔جو ادیب و شاعر اس معیار پر پورے اتریں گے وہی اِس استثناء کے باعث مقبول بارگاہِ ایزدی و بارگاہِ رسالت ہوں گے---ان میں حسان بن ثابتؓ، شرف الدین بوصیریؒ، خواجہ معین الدین چشتی، شمس تبریزی، مولانا رومی، سعدی شیرازیؒ، خواجہ نظام الدین اولیاؒ، جان محمد قدسیؒ، الطاف حسین حالی، محسن کاکوروی، غلام قادر گرامی جالندھری، علامہ شبلی نعمانیؒ، سید سلیمان ندویؒ، علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں، مولانا حسرت موہانی اور بے شمار دوسرے ادباء و شعراء کے اسماء گرامی جنہوں نے اپنی صلاحیتوں کو حسبِ ارشاد باری تعالیٰ استعمال کیا، موتیوں کی لڑی کی طرح پروئے ہوئے ہیں، جن کو ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم کی ذاتِ والا تبار نے شرفِ قبولیت بخشا۔

اس مختصر بحث سے یہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے، کہ قول اور فعل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔فکر و عمل کو قدم بہ قدم چلنا چاہیے، اس سے مفر ممکن نہیں ہے۔

میں نے اپنی دو تہائی صدی کی ادبی زندگی میں کم ہی ادیب دیکھے ہوں گے، جو اس طرف گامزن ہونے کی سعی تو درکنار،

اپنے ذہنوں میں اس معیار کا عکس تک دیکھنے کے بھی روادار ہوں گے۔ جو اپنی ذاتی زندگی میں حقیقت پسند ہوں۔ ہر نفس ناقدریِ زمانہ اور اپنی بے چارگی و درماندگی کا گِلہ نہ کرتے ہوں۔ مصلحت بیں نہ ہوں، اور عیب جوئی، نقص تراشی اور غیبت سے قطعِ نظر، علیٰ الاعلان کلمہ حق کہنے کی جرأت رکھتے ہوں۔ پابندِ آداب و اقدار ہوں۔ عہد کا پاس کرتے ہوں۔ جن کا دستِ طلب کسی انسان کے سامنے دراز نہ ہوتا ہو۔ جو اپنی عزتِ نفس کی فی الواقع حفاظت کرتے ہوں۔ مراعات، وظائف اور سرپرستی کے لیے ہاتھ نہ پھیلاتے ہوں ___ دوسرے معنوں میں ادیب و شاعر کو بہ حیثیتِ مجموعی اپنی نجی زندگی اور معاملات میں اُس آدرش سے دور کا بھی واسطہ نہیں، جس کی تبلیغ کرتے اس کا منہ سوکھتا ہے، اور جس پر لکھتے لکھتے اس کا قلم گھس جاتا ہے۔

یہ سخت الفاظ ہیں، ممکن ہے بعض لوگوں کو ناگوار گزریں۔ لیکن :

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

اور سچی بات سے مفر ممکن نہیں۔

ایک صاحبِ تصنیف ادیب نے ایک گفتگو میں حضرت علیؓ کا قول بیان کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ یہ دیکھو کیا کہتا ہے، یہ مت دیکھو کون کہتا ہے۔ یعنی اہمیت بات کی ہے، نہ کہ بات کہنے والے کی۔ گویا ادیب و شاعر کی بے عملی کا اس سے بہتر جواز نہیں ہوسکتا۔ آخر بات کہنے میں کیا خرچ ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ غالباً حضرت علیؓ ہی نے اُس باپ کو، جو اپنے بچے کو گڑ کھانے سے ممانعت کے لیے آپ کے پاس لایا تھا، فرمایا تھا، کہ کل لانا۔ جب وہ شخص اگلے روز بچے کو لے کر آپ کے پاس گیا تو آپ نے بچے کو نصیحت کی، کہ بیٹا گڑ نہیں کھانا چاہیے۔ اُس شخص نے کہا کہ حضرت یہی بات آپ کل بھی بچے سے کہہ سکتے تھے! آپ نے فرمایا کہ کل میں نے خود گڑ کھایا تھا، میں وہ بات کیسے کہہ سکتا تھا جس پر میں خود عامل نہ تھا۔

امام بخاریؒ کے بارے میں روایت ہے کہ حدیث نبویؐ سننے کے لیے ایک راوی کے پاس گئے، دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو پاس بلانے کے لیے توبرا اُس کی طرف بڑھا رہے ہیں۔ گھوڑے نے توبرے میں منہ ڈالا تو وہ خالی تھا۔ امام بخاری وہیں سے الٹے پاؤں واپس لوٹ آئے کہ جو شخص گھوڑے کے ساتھ ' کذب ' کرسکتا ہے، میں اس پر حدیث کے بارے میں کس طرح اعتماد کرسکتا ہوں۔

فاران کی چوٹی پر معشرِ قریش کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے رسولِ کریمؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ پر اور اللہِ واحد پر ایمان لے آؤ۔ آپؐ نے اپنا کردار و عمل اُن کے سامنے پیش کیا، اُس پر اُن کی گواہی لی، اور جب وہ شہادت دے چکے تو اس کے بعد دعوتِ توحید دی۔

گویا فکر و عمل کا اتحاد ہر فرد بشر کے لیے لازمی ہے، اور ادیب و شاعر پر تو یہ اور بھی واجب ہے۔ وہ زندگی کی آئینہ داری اور اس کی عکاسی کا دعویدار ہے تو اس کی مشاطگی کا فرض بھی اس پر عائد ہوتا ہے۔

.....☆.....

پروفیسر ڈاکٹر سید شبیہ الحسن

ع س مسلم کے تنقیدی سفر کے ثمرات

عصرِ حاضر کی خراب اخلاقی صورت حال نے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ادب کو بھی متاثر کیا ہے۔ آج کل ہر معمولی تخلیق کار خود کو 'علامہ' اور اپنی 'بے مثال تحریر' کو 'حرفِ آخر' سمجھنے لگا ہے--- یہی سبب ہے کہ اگر کوئی غیر جانبدار نقاد ایسے تخلیق کار کی کسی کوتاہی پر گرفت کرے تو وہ خود ساختہ علامہ اخلاقیات کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مرنے مارنے پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ اِس ملال انگیز صورتِ حال کا ذمہ دار کون ہے؟؟ وہ نقاد جو ستائش باہمی کے نظریے کے تحت ہر الٹے سیدھے لکھنے والے کو زمانے کا مجدد ثابت کر دیتا ہے، یا وہ قاری جس کا ذہنی افق انتہائی پست ہو چکا ہے، یا وہ معاشرہ جو غیر اہم چیزوں کو معتبر ثابت کرنے پر تُلا بیٹھا ہے!

بہر حال اِس ناگفتہ بہ صورتِ حال کا نتیجہ یہ برآمد ہو رہا ہے کہ دیوانہ اپنی بڑ کو اپنے ذاتی اثر و رسوخ کی وساطت سے پھیلانے میں ایک حد تک کامیاب ہوتا جا رہا ہے اور وہ وقت دُور نہیں جب اچھے نقاد بھی بری تخلیق کو برا کہنے سے اجتناب کرنے لگیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ادب میں یہی وقت زوال کا ہوگا۔ اگر ہم اپنے معاشرے میں ادبی اقدار کا زوال نہیں چاہتے تو ہمیں مثبت تنقید سننے کا حوصلہ پیدا کرنا ہوگا اور ع س مسلم جیسے ناقدین کی پذیرائی کرنا ہوگی جو زہرِ ہلاہل کو قند کہنے سے کل بھی گریزاں تھے اور آج بھی ہیں۔

شعر و ادب کی ترقی کے لیے ایک علمی، تہذیبی اور تخلیقی فضا کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ فضا اُسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب تخلیق کار ادب کے ساتھ ایک ''کمٹمنٹ'' (COMMITMENT) کے ذریعے رشتہ استوار کرے اور لکھنے پڑھنے کو زندگی کا اہم تقاضا سمجھے۔ اگر ان تقاضوں کو پورا کرنے کے بجائے ادباء ادب کو مالِ تجارت سمجھنے لگیں اور اپنی تحریروں کے لیے وہی طریقہ استعمال کریں جو مال کی فروخت کے لیے اشتہارات کرتے ہیں تو یہ فضا علمی، ادبی اور تخلیقی نہیں بلکہ 'بازاری' بن جائے گی۔

ادب میں دھڑے بندی، خود نمائی اور سطحی سیاست کے کوئی معانی نہیں ہوتے۔ اشتہار، دھڑے بندی، سیاست یا دولت کسی بھی معمولی تحریر کو اعلیٰ اور ارفع سطح پر نہیں پہنچا سکتی۔ اہم بات محض اتنی ہے کہ آپ جو کچھ لکھتے ہیں اُس کے حوالے سے آپ زندگی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں یا نہیں---؟ کسی تقاضے سے عہدہ برآ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنا کام پورا

کر دیا ہے۔ اگر آپ کے کام میں قوت اور تاثیر ہے تو وہ باقی رہے گا ورنہ گھانس پھونس کی طرح ہَوا میں اُڑ جائے گا۔

ع س مسلم اس اعتبار سے ایک منفرد نقاد ہیں کہ انہوں نے پوری زندگی شعر و ادب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ آپ اُن کی ''لمحہ بہ لمحہ زندگی'' کا مطالعہ فرمالیجئے آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے شعر و ادب کو نہ تو جلبِ منفعت کا ذریعہ بنایا اور نہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات کے مطابق اپنے نظریات تبدیل کیے۔ آپ کو اُن کے افکار و نظریات سے صد فی صد اختلاف ہوسکتا ہے لیکن آپ اُن کی ''کمٹمنٹ'' پر انگلی نہیں اٹھا سکتے۔

اِس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان کی پوری زندگی ایک ایسے باوفا اور مہذب ماحول میں بسر ہوئی ہے جہاں لفظوں کی توقیر اور حرمت کے معنی ہوا کرتے ہیں۔ انہیں علم ہے کہ آج اُن کی کِذب و ریا سے بھرپور تحریر کل اُن کے لیے شرمندگی کا باعث بنے گی۔ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اعمال کی جزا و سزا تو روزِ آخرت میں ہوگی لیکن لفظوں کا حساب کتاب اِسی دنیا میں ہوجائے گا۔ یہی سبب ہے کہ انہوں نے عصرِ حاضر کی ''شہرت'' سے اپنے دامن کو بچائے رکھا۔ اب وہ تو خاموش ہیں لیکن پورا معاشرہ اُن کی تخلیقات کے مطالعہ کے بعد انہیں ''جہت ساز تخلیقی شخصیت'' قرار دے رہا ہے۔

عبدالستار مسلم ایک بالغ نظر نقاد ہیں۔ ان کے کئی تنقیدی مجموعے زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ اپنے مضامین و مقالات میں ع س مسلم نے ہمیشہ اپنے عہد کے مسائل کو پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو تخلیق کار اپنے عہد کے مسائل سے آنکھیں چراتا ہے وہ جلد یا بدیر زمانے کی ستم ظریفی کا شکار ہوجاتا ہے۔

یہ کہنا تو شاید انتہا پسندی ہو کہ عصرِ حاضر کے تخلیق کاروں کا دستور ہوگیا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے مسائل کی پیش کش سے پہلوتہی کرتے ہیں مگر اِس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نئے ادبی رجحانات قارئین کا وسیع حلقہ پیدا نہیں کر سکے۔ اس طرزِ عمل کا منفی نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ سنجیدہ ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کی تعداد میں روز بروز کمی واقع ہوتی جارہی ہے اور مخربِ اخلاق رسائل خوب پھل پھول رہے ہیں۔

لہٰذا زمانۂ حال کے تمام تخلیق کاروں کو چاہیئے کہ وہ ع س مسلم کی طرح اپنے گرد و پیش میں پھیلے ہوئے مسائل کا بغور تجزیہ کریں اور اُن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے نیک نیتی سے تخلیقی سطح پر مشورے دیں۔ اگر تخلیق کاروں نے سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور نہ کیا تو وہ وقت دُور نہیں جب ہمارے پیشِ نظر محض مسائل ہی مسائل ہوں گے اور اِن مسائل کا حل ہم اپنے ہاتھ سے کھو چکے ہوں گے۔

''میرا تنقیدی سفر'' ع س مسلم کا نیا تحقیقی اور تنقیدی کارنامہ ہے۔ اِس کتاب میں نظری اور عملی دونوں طرح کے مقالات موجود ہیں۔ نظری مقالات کی درج ذیل فہرست پر نظر ڈالنے کے بعد فوراً اندازہ ہوجاتا ہے کہ ع س مسلم کے نظری مضامین متنوع بھی ہیں اور منفرد بھی۔ ملاحظہ فرمایئے: